AL-AẔVĀ ***الاضواء***
ISSN 2415-0444; E- ISSN 1995-7904
Volume 34, Issue, 52, 2019
Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan.

مسلم مفکرین کا نظریہ تاریخ -قرآنی آیات کی روشنی میں

Muslim Thinkers Approach towards History - in the Light of the Qur'ān

سلطان شمس الحق*
مستفیض احمدعلوی**

Abstract:

The Holy Qur'ān comments on rise and fall of nations, thus laying down the moral principles to be followed for the rise and pointing out violations resulting into fall of human societies. The Muslim Historians, in general, have followed the same principles to judge rise and fall of nations, as that of Qur'ān, in their historiographies. This paper studies the point of wiew of Muslim historians, in the light of explanations given by them, about the history and its philosophy. The Muslim Historian of high middle ages, *Ibn Miskawāyh* believed in the use of philosophical wit instead of mere collection of events, on behalf of historian. *Ibn Khaldūn* founded the philosophy of social historiography. Following him, the modern scientific and logical trends made it an art to unfold the collective human nature, conscience and culture. *Zia al-Dīn Barni* and *Mullā Abdul Qādir* were first Muslim historians, in the Sub-Continent to follow the modern philosophy of History. *Allāmah Shiblī* compared the ideas of Western critics and Eastern Historians supporting the fact of going into the past for moral lessons, to achieve success in future. *Allāmah Iqbāl* believed that History is a mirror which reflects the whole human origin. *Sayyed Mawdūdī* based his writing of history on the philosophy given by the Holy Qur'ān. What the following article explores, is the fact that the Muslim scholars based their Philosophy of History in the Sub-Continent, as that of inferred from the Quranic narratives.

Key Words : Muslim Thinkers, Historiography, Qur'ānic Studies

تعارف:

ماضی کے واقعات کی تفصیل ، اگروقت وقوع کی نشاندہی کے ساتھ بیان کی جائے تو اسے تاریخ کہتے ہیں۔ عربی زبان سے ما خوذ لفظ تـا ریـخ کا بنیادی مادہ، ا ۔ ر ۔ خ ہے، جو فعل کی صورت میں آئے تو وقت کی نشاندہی کے معنوں میں

*پی ایچ ڈی سکالر،شعبہ علوم اسلامیہ،گفٹ یونیورسٹی ،گوجرانوالہ، پاکستان
**ڈائریکٹرفیکلٹی آف آرٹس اینڈسوشل سائنسز،گفٹ یونیورسٹی،گوجرانوالہ، پاکستان

استعمال ہوتا ہے۔[1]تاریخ کا انگریزی متبادلHistoryہے جو کہ قدیم یونانی لفظ*Istoria*سے ماخوذہے،جس کےلغوی معنی تحقیق وتدقیق کےہیں۔[2]یہ لفظ یونانی سےلاطینی اورلاطینی سے انگریزی میں منتقل ہوا۔جسےانسانی زندگی کے حالات وواقعات کےساتھ منسوب کردیاگیا ۔ لہٰذا یہ طے ہوا کہ Historyعلم کی وہ شاخ ہے جوماضی کےواقعات سےمتعلق ہو۔ [3]

قدیم یونانی مورخ ہیروڈوٹس(Herodotus: 484-425 BC) کا خیال تھا کہ تاریخ وہ علم ہے جو بنی نوع انسان کےعمل سے متعلق ہے:

History is a science of human action.[4]

جب کہ ارسطو (Aristotle: 384-322 BC) سمجھتا تھا کہ تاریخ فقط طبیعی حقائق کو جمع کرنے کا نام ہے:

History is a mere collection of empirical facts.[5]

خود علم تاریخ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کے نظریہ تاریخ میں انقلابی تبدیلی اس وقت واقع ہوئی جب نزول قرآن شروع ہوا اور قرآن حکیم نے تاریخ انسانی کے ارتقاء اور عروج و زوال کا فلسفہ، اپنے تاریخی بیانیے میں کھول کر بیان کر دیا۔ جس میں سب سےبڑااوربنیادی قانون مکافات عمل کاہے۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قرآن سےمستنبط ہونےوالےعلوم میں سےقصص وامثال کوایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ قوموں کی اجتماعی اخلاقیات کا، اس قوم کے عروج و زوال سے گہرا تعلق ہے۔ لہٰذا، تاریخ کا علم، ماضی کے دروس عبر سے مزین ہے، جس کی بنیاد پر ، مستقبل کی منصوبہ بندی استوار ہوتی ہے۔

قرآنی آیات سے مستنبط فلسفہ تاریخ:

قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی تخلیق وتشکیل اور اور اس کا انتظام و انصرام ، جن قوانین اور طریقوں پر قائم و دائم ہے ، وہ خالق کائنات کی مشیت اور قدرت کے تابع ہیں۔ اللہ رب العالمین کی طرف سے تشکیل، ارتقاء اور عروج و زوال کی ساری ترکیب و ترتیب جاری و ساری ہے ۔آیات قرآنی کے مطالعہ اور تفہیم کی روشنی میں یہ حقیقت بھی علمائے تفسیر نے واضح کی ہے کہ ، اس کائنات کے ایک اہم حصے یعنی زمینی دنیا پر موجود ، حیاتِ انسانی کو بھی الٰہی قوانین مشیئت و قدرت کے تحت منظم کیا گیا ہے، جن کے تحت انسانی زندگی ، تاریخ و تعمیر سےلے کرعروج و زوال تک پابند رہتی ہے۔ایسے اصول و قوانین قرآن کی اصطلاح میں سنن الٰہیہ(Divine Laws) کہلاتے ہیں ۔

آیات الٰہی سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ انسان غوروفکر کے ذریعے کائنات کے اسرارورموز جان کر ان قوانین سے باخبر ہو تا رہے اور اپنے منصب کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا رہے، تاکہ فلاح و کامرانی اسے نصیب ہو سکے، جیسا کہ فرمایا گیا :

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاء فَأَحْيَا بِهِ الأرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخِّرِ بَيْنَ السَّمَاء وَالأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ 6

(آسمان اور زمین کی پیدائش ،رات دن کا ہیر پھیر ،کشتیوں کالوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا ، آسمان سے پانی اتارکر مردہ زمین کو زندہ کر نا، اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلادینا ،ہواؤں کے رخ بدلنا اور بادل جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں،ان میں عقل مندوں کے لئے قدرت ِ الٰہی کی نشا نیاں ہیں-)

قرآن حکیم سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین نہ صرف اس کائنا ت کا خالق ہے بلکہ مالک وآقا بھی ہے۔ یہ کل کائنات اسی کی ملکیت ہے اور اسی کے قوانین و ضوابط کی پابند بھی ہے: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ﴾7 (بڑا عالی شان ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں (ساری) حکومت ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے-) یہ بھی حقیقت ہے کہ پوری کائنات اس کے حکم کی تابع فرمان ہے اور اس کے احکام کی سر ِ مو انحراف نہیں کرتی بلکہ ان کا خداسے تعلق نہایت تعبدانہ ہے :

﴿وَ الشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَاؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِؕوَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ۝لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِؕوَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾8

(اور سورج کے لیے جو مقرر رہ ہے وہ اسی پر چلتا رہتا ہے یہ ہے اندازہ غالب باعلم اللہ تعالیٰ کا۔اور چا ند کی ہم نے منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی کی طرح ہوجاتا ہے ۔نہ آفتاب کی یہ مجال ہے کہ چاند کو پکڑے اور نہ رات دن پر آگے بڑھ جانے والی ہے اور سب کے سب آسمان میں تیر تے پھر تے ہیں -)

قرآن مجید اس پوری کائنا ت کو "مسلم" قراردیتا ہےکہ وہ خدا کے ان قوانین و احکام کی فر ماں برداری میں سر ِ تسلیم خم کیے ہوئےہے۔ انسان کو چونکہ عقل و شعور کی نعمتوں سے فیضیاب کیا گیا ہے ، لہٰذا اس کے لیے شایان شان ہی یہ بنتا ہے کہ کائنات سے جو سبق واضح ہے اسی کے آگے سر تسلیم کر کے کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴾11

(پس یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت تبدیل نہیں ہو سکتی۔)

قرآن حکیم نے یہ بھی اعلان فرمایا ہے کہ اللہ کے قوانین تبدیل نہیں ہوتے ۔زمین سے لے کر آسمان تک اور آدم سے لے کر آخری انسان تک یہی قوانین رہیں گے اور ان کے نتا ئج بھی وہی رہیں گے جو روزِ اول سے مقرر کیے گئے ہیں۔کسی فرد ،قوم ، ملک و ملت یا کسی خاص خطے کے افراد یا کسی بھی مذہب کے کے ماننے والوں کے لئے اس میں استثنیٰ نہیں ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللہِ تَبْدِیلاً وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللہِ تَحْوِیلا﴾ [10]

(سو آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے اور آپ اللہ کے دستور کوکبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے۔)

قرآن حکیم میں بیان شدہ اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ " سنن الٰہیہ " سے مراد وہ مخصوص قوانین و اصول ہیں جن کے تحت خداتعالیٰ تمام اقوام و ملل اور افرادِ معاشرہ کی زندگی کے سلسلے قائم رکھے ہوئے ہے ۔ علامہ زمخشری (1078 ء- 1144ء) ، امام قر طبی (1214ء-1274ء) اور امام الشوکانی (1759ء-1839ء)کے مطابق ایام و تاریخ اقوام وہ واقعات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والی امتوں میں جاری کیے۔[11] علامہ ابن تیمیہ (1263ء-1328ء) فرماتے ہیں کہ تاریخِ انسانی میں مختلف تہذیبوں اور معاشروں کے ساتھ خدا کے وہ معمولات جونظا ئر کی شکل میں ہمارے سامنے آتے ہیں اور ان نظائر کی روشنی میں ہم کسی بھی موجود انسانی معاشرے کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا کیونکہ اس کی نظیر ہمارے سامنے تاریخ میں موجود ہوتی ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

ھی العادة التی تتضمن ان یفعل فی الثانی کما فعل نظیرة الاول۔[12]

(ایسامعمول جو اس بات پر متضمن ہو کہ جو پہلے کے ساتھ ہوا اس کی نظیر اور اس کی ملتی جلتی صورت کے ساتھ بھی وہی ہوگا ۔)

علامہ رشید رضا اپنی تفسیر 'المنار' میں فرماتے ہیں کہ یہ خدائے بزرگ وبرتر کا ایک نظام ہے جو اقوام و ملل اورافراد و امم کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اسی کے مطابق ان سے معاملات کیے جاتے ہیں اور اس نظام میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔[13]

سنن الٰہیہ کا اطلاق ، انسانوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کے مقر ر کر دہ قواعدو ضوابط پر ہوتا ہے ، جن کے مطابق کاروبارحیات انسانی جاری و ساری رہتا ہے۔ تاہم اس سلسلہ میں انسان کا معاملہ دیگر مخلوق سے الگ

دائرے رکھتا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ ، انسانی زندگی سے متعلق قوانین کے بارے میں لکھتے ہیں :

وهذه السنن كلها سنن تتعلق بدينه ، وأمره ونهيه ، ووعده ووعيده، وليست هي السنن المتعلقة بأمور الطبيعة،كسنته في الشمس والقمر والكواكب وغير ذلك من العادات۔[14]

(یہ وہ تمام سنن ہیں جن کا تعلق اس کے دین ،اس کے اوامر و نواہی ،اس کے وعدہ و وعیدسے ہے اور یہ وہ سنن نہیں ہیں جو طبعی امور جیسے کہ سور ج ، چانداور دیگر اجرامِ فلکی میں جاری و ساری ہیں ۔)

ڈاکٹر عبد الکریم زیدان، ان دونوں قسم کے قوانین کو دو دیگر اصطلاحات سے موسوم کرتے ہیں، مگر ان کے ہاں بھی ، اپنے مفہوم کے اعتبار سے سنن کی دو صورتیں ہی نظام دنیا و مافیہا میں کار گر نظر آتی ہیں، اور دونوں میں گونا فرق ہے؛ ایک کائنات کے مادی واقعات ہیں یعنی الأحداث الكونية المادية ، اور دوسرے انسانی معاشرت سے متعلق قوانین یعنی الأحداث الاجتماعية ۔ وہ لکھتے ہیں :

وكل الفرق بين الأحداث الكونية المادية وبين الأحداث الاجتماعية هو أن أسباب الأولى واضحة بينة مضبوطة إذا عرفناها أمكننا الحكم بدقة على نتائجها وميقات هذه النتائج ، فالماء مثلا ينجمد إذا بلغت درجة برودته كذا درجة ، ويصل إلى الغليان إذا وصلت درجة حرارته إلى كذا درجة وبعد كذا من الوقت ،...

(کائنات کے مادی واقعات اور معاشرتی واقعات میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ پہلےکے اسباب واضح روشن اورمنضبط ہیں۔جب ہم ان کوجان لیں توہمارے لئے تفصیل کے ساتھ ان نتائج پر حکم لگا نا اوران نتائج کا وقت مقرر کرنا ممکن ہوتا ہے۔مثلاََ درجہ حرارت اس نقطہ تک پہنچ جائے توپانی جم جاتا ہے اور جب اس حد کو پہنچ جائےتو ابلنے لگتا ہے ۔)

جب کہ انسانی سماج میں تبدیلی کے واقعات کا معاملہ دوسرا ہے:

وهكذا.أما أسباب الأحداث الاجتماعية فهي بمختلف أنواعها من سياسية واقتصادية وحضارية وعمرانية وغلبة ونصر وهزيمة وخذلان..إلخ.، أسباب دقيقة وكثيرة ومتشعبة ومتشابكة ، وقد يعسر على الكثيرين الإحاطة بها تفصيلا ۔[15]

(معاشرتی واقعات اپنے اسباب اور اپنی مختلف سیاسی اقتصادی تمدنی یاتہذیبی ،نصرت اور شکست وذلت وغیرہ جیسی انواع کی حیثیت سے مختلف ہوجاتے ہیں ۔یہ اسباب بڑے گہرے ،بہت زیادہ

باہم ملے جلے اور منتشر ہیں ۔بہت سارے لوگوں کے لئے ان کاتفصلی احاطہ کرنا مشکل ہوسکتا ہے ۔)

قرآن مجید کی بہت سی آیات اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نےاپنی مخلوق میں سے آدم کو جو خاص فضیلت وعظمت اور عزت و شرف عطا فرمایا وہ کسی اور مخلوق کے حصے میں نہیں آیا۔ساری کائنات کانظام و انصرام انسا ن کی مدد اور خدمت میں لگا ہوا ہے ۔زمین و آسمان کی ساری چیزیں اسی کے تابع اور مسخر کی گئی ہیں۔[16]انسان کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو الٰہی قوانین پر عمل پیرا ہوکر سعادتِ دارین حاصل کر لے ،چاہے توان قوانین سے ناشکری اور بغاوت کرکے بد بختی کو اپنا مقدر بنا لے ۔اسے اچھے برے کو اختیار کرنے کا اختیار دے کر صحیح اور غلط کی پہچان کرادی گئی ہےلیکن راہ عمل اختیار کرنے میں اسے پورا امختار بنادیا گیا ہے:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا﴾[17]

(ہم نے اسے راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے خواہ ناشکرا۔)

دوسرے مقام پر قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ یوں آیا ہے :

﴿وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ﴾[18]

(شکرگزار اپنے ہی نفع کے لیے شکر گزاری کرتا ہے اور جو نا شکری کرے تومیرا پرورد گار بے پرواہ اور بزرگ ہے۔)

ڈاکٹر فصل الرحمان (1919-1988ء)نے اسی بات کو یوں بیان کیا ہے :

Since everything in the universe does behave in accordance with its ingrained laws automatically obeys the "command" of God, the whole universe is therefore Muslim, surrendering to the will of God. Man is the only exception to this universal law, for he is the only being endowed with a free choice of obeying or disobeying the command of God. Just as it is "written into" every other creature, this command is written upon man's heart. The only difference is that while every other creature follows its nature automatically, man ought to follow his nature; this transformation of the "goes" into "ought" is both the unique privilege and the unique risk of man.[19]

(چونکہ کائنات میں ہر چیز ان قوانین کے مطابق عمل کرتی ہے جو اس کے اندر رکھ دیے گئے ہیں یعنی خودبخود خداکے حکم کی تا بعداری کرتی ہے اس لیے پوری کائنات ہی اس اعتبار سے

"مسلم" ہےجو خداکی مرضی کے سامنے سر جھکا دیتی ہے ۔اس عالم گیر قانون میں واحد استثناء انسان ہے، اس لئے کہ وہ واحد وجود ہے جسے یہ اختیار دیاگیا ہے کہ خداکے حکم کی اطاعت کرے یا نافرمانی کرے ٹھیک اسی طرح جیسے یہ حکم ہر دوسری مخلوق کے اندر " لکھ دیا گیا ہے " اس طرح یہ حکم انسان کے دل پر لکھ دیا گیا ہے ۔۔۔فرق صرف اتنا ہے کہ جہاں ہر دوسری مخلوق خود بخود اپنی فطرت کے مطابق چلتی ہے ،انسان کو "چاہیے" کہ اپنی فطرت کے مطابق چلے ،یہ جو "چلتی ہے " کا "چلناچاہیے " میں بدل جانا ہے تو یہ انسان کا غیر معمولی حق بھی ہے اور اس کے لئے غیر معمولی طرہ بھی !)

غلام احمد پرویز (1903ء-1985ء) انسان کے اس اختیار و انتخاب کی توضیح یوں کرتے ہیں :

ہماری کائنات کے دوحصے ہیں ۔ایک حصہ عالم آفاق (یعنی انسانوں کے دنیا کے سوا باقی ساری کائنات) اور دوسرا حصہ ،انسانی دنیا ۔اگر تم اس بنیادی فرق کو پیش ِ نظر رکھو تو مسئلہ تقدیر کی بہت سی پیچیدگیاں خود بخود حل ہو جائیں گی۔عالم آفاق میں خدا کا قانون از خود کار فرما ہے اور کسی کو اس سے سر تا بی کی مجال نہیں (کل لہ قا نتون) لیکن انسان کو صاحبِ ارادہ پیداکیا گیا ہے۔یہ اپنی مملکت میں آپ صاحبِ اختیار ہے ،لیکن جس طرح عالم آفاق کی نشو ونما ربوبیت ایک قانون کے تابع ہوتی ہے اسی طرح عالم انسانی کی نمودو ارتقا ء بھی ایک نظام کے ماتحت کار فرما ہوتی ہے ۔عالم آفاق میں ہر شے کو اس قانون کی پابندی طوعاَ و کر ھاَ کر نی پڑتی ہے ،اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ "تقدیر" کے پابند ہیں یعنی ان اندازوں کے پابند جو ان کی نقل و حرکت اور نشو و نما کے لئے مقرر ہیں اور جن سے انہیں کسی صورت میں بھی مفر نہیں ۔ اس کے بر عکس عالمِ انسانیت میں یہ قانون،ہدایت خداوندی کی شکل میں موجود رہتا ہے ،لیکن انسان کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس پر عمل کر ے یا نہ کرے۔بالفاظ دیگر اشیائے کائنات تخلیقی قانون کی پابندی مجبوراَ کرتی ہیں ،جو ان کے اندر ودیعت کر کے رکھ دیاگیا ہے لیکن انسان ،قانونِ خداوندی کی پابندی اپنے اختیا ر سے کرتا ہے جو اسے انبیا ء کی وساطت سے ملتا ہے ۔[20]

علامہ اقبال نے، اسے یوں بیان کیا ہے :

تقدیر کے پابندہیں نباتا ت و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند[21]

قرآن مجیدعمل تاریخ کوقانون مکافات عمل یا جزاوسزا کانتیجہ قرار دیتا ہے اس کادعویٰ ہےکہ قوموں کےاجتماعی اعمال خواہ اچھےہوں یا برے، ایک مقرروقت پرنتائج ضروردیتےہیں، جیسا کہ ارشاد ہوا :

﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ.﴾[22]
(ہر قوم کے لیے ایک مدت مقرر ہے، لہٰذا جب ان کا وقت آجاتا ہے تو پھر کوئی لمحہ تاخیر یا تقدیم نہیں ہوتی۔)

اور اسی طرح ، قرآن حکیم میں یہ امر بھی واضح کیا گیا ہے کہ کسی قوم کی اجتماعی حالت اسی وقت آتی ہے جب وہ خود اپنے آپ کو تغیر کے لیے تیار کر لیتی ہے، لہٰذا، ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾[23]
(بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حالات نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنے آپ نہ بدلیں۔)

چنانچہ جہاں کہیں قرآن گذشتہ قوموں کی تباہی کاذکرکرتاہےوہاں اس بات کی تصریح بھی ضرورکردیتاہےکہ جوعذاب یاتباہی کسی قوم پرواردہوئی ہےیہ اصل میں انہی کے اعمال کانتیجہ تھی:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾[24]
(یقیناً، اللہ تعالیٰ انسانوں پر کسی طرح ظلم نہیں کرتا لیکن انسان خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔)

گویا ،واقعات تاریخ اورانقلابات عالم،انسان کےاپنےاعمال کابراہ راست نتیجہ ہیں۔تاہم تاریخ خوداپنےمستقل قوانین رکھتی ہے جو تقدیر اور تدبیر کے امتزاج پر مبنی ہیں۔

متقدم علمائے تاریخ کا نقطہ نظر:

المسعودی(896 -956 ء) کہتےہیں کہ تاریخ کوئی جامداورساکت شئےنہیں ہے، جس طرح قومیں اور معاشرے سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ اپنے مزاج تبدیل کرتی رہتی ہیں، اسی طرح ان کی تاریخ تبدیل ہورہی ہوتی ہے۔مؤرخ کامنصب یہ ہےکہ اس بات کاخیال رکھےکہ حکومتی تبدیلی کےساتھ قوم میں کیاکیاتغیرات روپذیرہوئے، وہ ان پر نظر رکھ کے تجزیہ کرتا جائے۔[25] لہٰذا، ابن مسکویہ(932 – 1030 ء) نے تاریخ نگاری کو واقعات نگاری تک محدود رکھنے کی بجائے، مؤرخ کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ واقعات کے پس منظر میں موجود، اسباب وعلل کاکھوج لگانے کا کام کرے ۔وہ فرماتےہیں کہ :

متبدّدة فی الخرافات والأساطیر الّتی لیست لها فائدة الأستجلاب النّوم بها، والتأنس بالمستطرف منها۔ [26]
(تاریخی واقعات اورخرافات باہم گڈمڈہوگئےہیں،حالانکہ واقعات اور قصّوں سےاس کے سوا اورکوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتاکہ ان کوسن کرنیندآئےاوران کی اعجوبگی سےدلچسپی لی جائے ۔)

ایک مؤرخ کے شایان شان یہ ہے کہ وہ ماضی کے واقعات کواسباب و علل کی روشنی میں پرکھے، اور اس طرح بیان کرے کہ آنے والی نسل انسانی

کے لیے عبرت اور سبق آموزی کا سامان میسر ہو۔ گویا ، تاریخ نام ہے انسانی اعمال اور تجربات کے جملہ محرکات اور دنیا میں عمل پذیر ان کے اثرات کا۔ لہٰذا، علم تاریخ وہ شعبہ فکر ہے جس میں انسانی تہذیب و تمدن کے آغازو ارتقاء ، نشیب و فراز اور ان کے محرکات و اثرات سے آگہی حاصل کی جاتی ہے۔

برصغیرکی مسلم تاریخ نویسی کی روایت میں ضیاءالدین برنی(1285 – 1357 ء)نےسب سےپہلےقلم اٹھایا۔ ان کے خیال میں تاریخ سےاہل بصیرت اس طرح فیض یاب ہوتے ہیں جس طرح وہ آسمانی صحائف سےمستفیدہوتےہیں ۔ماضی کا مطالعہ کرنے سےقاری،شعوری طورپرماضی میں سفر کرتا ہے۔جن عظیم ہستیوں کی تاریخ وہ جان رہا ہے ، دراصل وہ اس کے شعور پر اپنی عظمت کے گہرے نقوش ثبت کرتے ہیں، اور اہل بصیرت اپنی عظمت کے اصول اسی تاریخ سے اخذ کر لیتے ہیں۔ برنی کے مطابق:

> علم تاریخ اخبار اوصاف بزرگی وذکر محامد و مناقب و ماثر بزرگان دین دولت است۔[27]
> (تاریخ میں بزرگان دین و دولت کےاوصاف اور ان کی بزرگی وکمالات، ان کے مناقب و اثرات کا بیان ہوتا ہے۔)

لہٰذا، تاریخ عقل و شعور بڑھاتی ہے انسان دوسروں کے تجربوں کا مطالعہ کر کے خود صاحب تجربہ ہوجاتا ہےاور دوسرں کو جو حوادث پیش آئے ہیں ان کاعلم تاریخ جاننے والوں کومحتاط بنا دیتا ہے۔ اسی بات کو وہ یوں بیان کرتے ہیں:

> در علم تاریخ آنست کہ در علم تاریخ واسطہ زیادتی عقل و شعور ووسیلہ درستی رای و تدبیر است و از مطالعہ تجارب دیگران شخص صاحب تجربہ میگردد و از دانستن تجربہ حوادث دیگر در تاریخ حزم پیدا می اید۔[28]

برنی نےسلاطین خلفاءپرصوفیاکوترجیح دی ہے۔ان کےمطابق صوفی کی شخصیت سلطان سےبڑھ کرہوتی ہے۔وہ فرماتےہیں کہ انبیاءاورصالحین کےحالات پڑھ کرانسان میں صبرقناعت اورتسلیم ورضاکی خوپیداءہوتی ہے:

> ایشاں حوادث ووقائع رابرضا و صبر باعث رضا وصبر دانندگان تاریخ میگردد۔[29]

علامہ ابن خلدون (1332 – 1406 ء) لکھتے ہیں کہ بطور علم و فن ، تاریخ ایک بنیادی اور اعلیٰ مقام رکھتاہے:

> اعْلَمْ أَنَّ فَنَّ التَّارِيخِ فَنٌّ عَزِيزُ المَذْهَبِ، جَمُّ الفَوَائِدِ، شَرِيفُ الغَايَةِ، إذْ هُو يُوقِفُنا عَلَى أَحْوَالِ المَاضِينَ مِنَ الأُمَمِ في أَخْلَاقِهِم، والأَنْبِيَاءِ في سِيَرِهِم، والمُلُوكِ في دُوَلِهِم وسِيَاسَتِهِم، حَتَّى تَتِمَّ فَائِدَةُ الإقْتِدَاءِ في ذَلِكَ لمَنْ يَرُومُه في أَحْوَالِ الدِّينِ والدُّنيا۔[30]

(واضح رہے کہ تاریخ ایک بلندمرتبہ شعبہ علم اورکثیرالفوائد،خوش نتائج فن ہے۔اس لیےکہ وہ ہمیں سابقہ امتوں کےاخلاقی حالات، انبیاءکی سیرتوں اورسلاطین کی حکومتوں اوران کی سیاستوں سےروشناس کراتاہے ۔ تاکہ جوشخص دینی اوردنیاوی معاملات میں ان میں سےکسی کی پیروی کرناچاہےتواس کادامن فائدےسےخالی نہ رہے۔)

مُلاعبدالقادربدایونی(1540–1605ء)، سلطنت مغلیہ ہند میں ، دوراکبری کےایک نامورمؤرخ ہیں، ان کے خیال میں وہ لوگ جن کواللہ تعالیٰ نےنوریقین سےسرفرازکیاہےاورتوفیق الہٰی ان کےہمراہ رہتی ہے،اس عالم کون وفسادمیں رونماہونےوالےہرسانحہ اورحادثہ کوصانعِ قدرت کی حکمت وقدرت کانتیجہ سمجھتےہیں۔[31]

ان کا کہنا ہے کہ اگرہم بغور مطالعہ کریں تویہ بات چھپی نہیں رہتی کہ یہ دنیابذات خودایک قدیم صحیفہ ہےجس کاآغازوانجام تو ہماری نگاہوں سےاوجھل ہےلیکن اس کاہرورق افرادِانسانی پرگزرنےوالےاحوال وحوادث کامرقع اوران لوگوں کےکارہائےنمایاں کامجموعہ ہےجن کےہاتھوں میں مخلوق خداکی باگ ڈوررہی ہے۔یعنی ہر گذشتہ تہذیب اپنی کہانی خود بیان کر گئی ہے۔اس تہذیب نے کس حد تک اس دنیا کومتاثر کیا اور اس کی روداد زوال کیا ہے، یہ تاریخ کے آئینے میں محفوظ ہے:

علم تاریخ در حدذات علمی ست شریف و فنیت لطیف چہ سرمایہ عبرت ارباب خبرت وسنہ حب تجربہ اہل ودانش وبینش ست۔[32]

(علم تاریخ بذاتہ ایک علم شریف اور فن لطیف ہے۔اس لیے کہ اہل خبر کا سرمایہ عبرت اور اہل عقل کاآئینہ تجربات ہے۔)

اگرچہ، کشف الظنون میں حاجی خلیفہ(1609 – 1657 ء) نےتاریخ کی تعریف یوں کی کہ:

هُوَمَعْرِفَةُ أحْوَالِ الطوائفِ و بُلْدَانِهْم وَرَسُومِهْم وَعَادَاتِهْم وَصَنائِعِ اَشْخَاصِهِمْ وَ اَنْسَابِهْم ووَفْيَاتِهْم۔[33]

(یہ وہ علم ہےجس میں انسانی طبقات ، ان کےشہروں،رسوم ورواج،ان کی عادات ایجادات، ان کے نسب اوروفات کےبارےمیں بیان کیاجا تاہے۔)

مگر وہ بھی جانتے تھے کہ تاریخ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے! کیونکہ حقائق کی تلاش اورواقعات کےانتخاب میں مؤرخ کاطریقہ کارسائنسی ہوتاہے، یعنی وہ مشاہدات و تجربات اور ان کے نتائج سے منظم بحث کرتا ہے۔اس لیے تاریخ کی بنیادتحقیق پر ہوتی ہے، جب اس تحقیقی موادکوسپردقلم کیاجاتاہےتووہ ایک فن بن جاتاہے۔ ٹائن بی (Toyenbee: 1979 -1889) اسی بنیاد پر کہتا ہے کہ تاریخ نویسی حیات انسانی کے علم کو منظّم کرنےکا نام ہے:

History is one of the ways of organizing knowledge.[34]

تاریخ کے معمے حل کرنے اورنتائج تک پہنچنے کے لیے حکیمانہ اصول درکارہوتے ہیں۔ تاریخ کے کسی دورکاگہرامطالعہ اوروسیع غورفکر، ایک فلسفیانہ کاوش ہے جس سے اس دورکے حقائق اورنتائج سامنے آتے ہیں۔یہ نتائج اورحقائق خاص قدروقیمت رکھتے ہیں ۔مؤرخ ان حقائق کوسامنے رکھتے ہوئے، اس تاریخی پس منظرکوپیش منظرکے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کرتاہے ، یہی علم ، فلسفہ تاریخ (Philosophy of History)کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ہرواقعہ کی بنیاداسباب اورعلل پرہوتی ہے۔جس طرح فعل اورخیال لازم وملزوم ہیں، کسی بھی دورکے حالات واقعات اس دورکے محرک فکرکی عکاسی کرتے ہیں ۔مؤرخ ماضی کومردہ نہیں سمجھتابلکہ وہ ماضی کے واقعات سے روح مسلسل کوڈھونڈتاہے ۔ واقعات مرجاتے ہیں لیکن ان کی روح آنے والے واقعات میں منتقل ہوتی رہتی ہے ۔جب تک مؤرخ واقعات کی روح سے واقف نہ ہوگاتووہ ماضی سے بے بہرہ رہے گا ۔

لہٰذا، ایک اعلیٰ پائے کا مورخ،واقعات کی تشریح اورتوضیح کرکے حیات انسانی کی ایک بامعنی تصویرکھینچتاہے۔گویا فلسفہ تاریخ کاتعلق تاریخ کی حقیقی نوعیت اورعلم تاریخ کی معنوی قدروں سے ہے ۔ یہ دراصل تاریخی موادکافکری نچوڑہے۔[35]

اس نقطہ نظر کا ارتقاء علامہ عبدالرحمن ابن خلدون(1332-1406 ء) کے ہاں اپنی جامع صورت میں نظر آتا ہے۔آیا تاریخ کو ما قبل کے حالات ہی سمجھاجائے یا یہ غور کیا جائے کہ ان حالات کی تہوں میں کوئی فلسفہ حیات بھی پنہاں ہے؟ اوریہ جانچا جائے کہ کچھ قواعداورمعیارات ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن سے حالات کی صحت اورعدم صحت کااندازہ کیا جا سکتا ہے؟ اس سوال پرسب سے پہلے علامہ ابن خلدون نے غورکیااوریوں انہوں نے تاریخ اور فلسفہ تاریخ کوایک نیا موڑدیا ۔ قوموں کی معاشرتی تشکیل میں ، ان کے ماضی ،حال اورمستقبل کی کڑیاں ملا کر، ماضی کو حال میں زندہ کردیا۔ قانون علت ومعلول کے تحت ماضی کی تشریحات اس طرح کیں کہ حال کوجانچاجاسکے اورحال سے مستقبل کے متعلق پیشینگوئی کی جاسکے، جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

لأَنَّ الأَخْبَارَ اِذَا اعْتُمِدَ فِيهَا عَلى مُجَرَّد النَّقْلِ وَلَمْ تُحْكَمْ أَصُولُ الْعَادَةَ وَ قَوَاعِدُ السَّيَاسَةِ وطَبِيعَةُ الْعُمْرَانِ وَ الأَحْوَالُ فى الاِ جْتِمَاعِ الاِنْسانى ولا قِيسَ الْغَائِبُ مِنْهَا بالشّاهِدِ وَ الْحَاضِرُ بِالذَّاهِبِ فَرُ بَّمَا لَمْ يُؤمَنْ فِيهَا مِنَ الْعُثُورِ وَ مَزَ لَّةِ الْقَدَمِ وَ الْحَيْدِ عَنْ جَادَّةِ الصّدْقِ وَكَثِراً مَا وَقَعَ للمُؤرّخِينَ وَالمُفَسّرِينَ وَأَ ئِمَّ النَّقْلِ مِنَ المَغَالِطِ فى الحِكَايَاتِ وَالْوَقَائعِ الاِعْتِمَادِهِمْ فِيهَا عَلى مُجَرَّد النَّقْلِ غَثّاً أَوْيَعْرِضُوهَا عَلى

أصُولِهَا وَلَا قَاسُوهَا بِأَشْبَاهِهَا ولَا سَبَرُوها بِمعيَارِ الْحِكْمَةِ وَ الْوُقُوفِ عَلَى طَبَائعِ الْكَائِنَاتِ وَ تَحْكِيمِ النْظَرِ وَ الْبَصِيرَةَ فِى الأَخْبَارِ۔ [36]

(اگر خبروں میں محض نقل پر اعتماد کر لیا جائے اور اصول عادت ، قواعدِ سیاست مدنیت کی طبیعت اورمعاشرے کے حالات کو پنچ نہ بنایاجائے اور موجود پر غائب کا حاضر پرقیاس نہ کیا جائے تو ان میں بہت لغزشوں اور غلطیوں کا اور راہِ راست سے ہٹ جانے کا امکان باقی رہتا ہے،چنانچہ مورخین اور مفسرین اور ائمہ نقل کو حکایات و واقعات میں بہت غلطیاں محض اس لیے پیش آئیں کہ انہوں نےصرف نقل پر خواہ غلط ہویا صحیح قناعت کر لی اور واقعات کو ان اصول و معیار پر کس کر نہیں دیکھا اور اشباہ ونظائر پر قیاس نہیں کیا نہ انہیں حکمت و فلسفہ کی کسوٹی پر کسا اور نہ کائنات کی طبیعتوں پر پرکھا اور نہ ان پر نظر و بصیرت کو پنچ بنا یا۔)

ابن خلدون کی اس سوچ کے بارے میں جدیددنیاکےعالمی مؤرخ ٹائن بی (Toyenbee: 1979 -1889) کہتےہیں:

> He has conceived and formulated a philosophy of History which is undoubtedly the greatest work of its kind that has ever yet been created by any mind in any time or place.[37]

(انہوں نے ایک فلسفہ تاریخ سوچا اور تشکیل دیا، جو اپنی نوعیت کا عظیم ترین کام ہے، جو کبھی کسی زمان و مکان میں ، اب تک تخلیق نہیں کیا جاسکا۔)

برصغیر کے جدید علمائے تاریخ:

برصغیر کے جدید مفکر اور مؤرخ ،علامہ شبلی نعمانی(1857–1914ء)کا خیال ہے کہ تاریخ کانصب العین ان واقعات اورحالات کاپتہ چلاناہےکہ موجودہ زمانہ گذشتہ زمانہ سےنتیجتاًکیسےپیداہوا۔ علامہ شبلی، علامہ ابن خلدون کےاس نظریہ کےساتھ متفق ہیں کہ ہردورکااپنامزاج ہوتاہےاس لیےاس دورکےمعاشرتی،ثقافتی اورذہنی نقوش کواس قدرابھارا جائےکہ پڑھنےوالےکےذہن میں اس دورکامکمل نقشہ بن جائے ۔[38]
وہ لکھتے ہیں:

> علم تاریخ اپنےاندروسیع ترمفہوم رکھتاہے۔اس میں جامعیت بھی ہےاورہمہ گیریت بھی۔ یہ کئی ایک علوم سےبالواسطہ یابلاواسطہ تعلق وواسطہ رکھتاہے ۔یہ انسانی مطالعہ کادوسرانام ہے ۔ اس کےلئےاسےعلوم کی گئی ایک شاخوں سےواسطہ پڑتاہے۔اپنےنفس مضمون کےاعتبارسےاس کااقوام وملل

اورتہذیبوں وتمدنوں سےگہرا تعلق ہے۔ آج دنیامیں جوتمدن،معاشرت،خیالات اورمذاہب موجودہیں ۔ سب گذشتہ واقعات کےنتائج ہیں۔[39]

جس طرح تاریخ اور اس کا علم کمال کی چیز ہے اسی طرح تاریخ لکھنا بھی ایک خاص فن ہے۔تاریخ نویسی، دراصل، تاریخی واقعات اورحقائق وقرائن کو ان کی روح کےمطابق قلم بندکرنےکادوسرانام ہے۔ اس فن میں کمال مؤرخ کی صلاحیت، قوت مشاہدہ اور زورقلم پرمنحصرہوتاہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ مؤرخ کسی واقعہ کوحقیقت کےآئینےمیں کس طرح متشکل کرتاہے۔

علامہ شبلی ابن خلدون کےنظریہ عصبیت کوتہذیبوں کےعروج وزوال کاسبب نہیں کہتےبلکہ وہ سمجھتےہیں کہ قومی بقاصالحیت میں ہے،جب تک صالحیت قائم رہےگی تہذیب بھی قائم رہےگی اورترقی کی منازل طے کرے گی۔وہ لکھتے ہیں:

کچھ چیزیں تاریخ سےبطورروایتاورثہ میں ملتی ہیں اس لیےترقی کاہر قدم ماضی کی اساس پرہوناچاہیے ۔لوگ کہتےہیں آگےبڑھومیں کہتاہوں کہ پیچھےہٹوکہ صحابہ کےدورمیں چلےجاؤاوراس سےبھی اورپیچھےہٹوکہ نبی کریمﷺکےزمانہ میں پہنچ جاؤ۔پیچھےہٹنےسےمرادحضورﷺکی پیداکی ہوئی فضااورروح تک پہنچناہے۔اوراسی ماضی کی اساس پرمستقبل کوترتیب دیناہے۔[40]

عالم اسلام کے عظیم مفکرعلامہ اقبال(1877–1938 ء) فرماتےہیں کہ:
تاریخ ایک طرح کاگراموفون ہےجس میں قوموں کی صدائیں محفوظ ہیں۔[41] ماضی کےواقعات کوترتیب وارلکھنےکانام تاریخ نہیں بلکہ اسباب وعلل کےباہمی ربط کوجاننےاوران کی روشنی میں قوموں کےعروج وزوال کےاصول اخذکرنےکامفہوم بھی شامل ہے۔علامہ صاحب سمجھتےہیں کہ قرآن نےجہاں فطرت کوعلم کاایک ذریعہ قراردیاہےاسی طرح تاریخ بھی ذریعہ علم ہے۔آپ کےنزدیک تاریخ وہ آئینہ ہےجس میں انسانی ارتقاءکی پوری تصویرنظرآتی ہےاورانسان اس کودیکھ کراپناآپ سنوارتاہے۔ اسلامی ثقافت کی روح ، خطبہ نمبرپانچ میں فرماتےہیں کہ:

علم انسانی کےقرآن کےنزدیک دوسرچشمےہیں ایک عالم فطرت اور دوسرا عالم تاریخ۔[42]

قرآن مجیدمیں پہلی قوموں کی طرف اشارہ کرتےہوئےسورۃ الانعام میں فرمایا گیا ہے کہ ماضی میں جھانکنے اور درس عبرت حاصل کرنے کے لیے، ماضی کے آثا ر کا مشاہدہ کیا جائے:

﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾[43]

(آپ کہہ دیجیے کہ زمین میں سیر کرو اور پھر دیکھو کہ حقیقت جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔)

یہ اس بات کااعلان ہے کہ گزرئےہوئےواقعات علم وبصیرت کامنبع ہیں اوراعلیٰ نصب العین کےحصول میں تاریخ انسان کی رہنمائی کرتے ہے۔ اسی انفرادی اوراجتماعی محاسبہ کےلیےقرآن باربارتاریخ کاحوالہ دیتاہے۔

علامہ اقبال کے مطابق، تاریخ زمانہ کےاندرایک مسلسل حرکت کانام ہے، اس لیےاس کی نوعیت تخلیقی ہے۔قرآن مجیدنےتاریخ کوایّام اللہ سےتعبیرکیاہے ۔زندگی کی یہ مسلسل ارتقائی حرکت جس میں گزرےہوئےافرادواقوام کی تخلیقی اورتحریبی اعمال سےآئندنسلوں کی تربیت منسلک ہوتی ہے ۔ اسلام کےہاں بنیادی قدرحرکت یعنی عمل ہے ۔ قرآن مجیدسورفاتحہ میں اسی عملی پہلوکی طرف رہنمائی کرتاہے۔لہذاعمل کیاہےصراط مستقیم، صراط مستقیم کیاہے؟ حرکت، حرکت کیاہے؟ تاریخ کےتناظرمیں وہ قوت ہےجوانسان کوماضی کےساتھ جوڑےہوئےبہتر،روشن،منزہ اورمقدس مستقبل کی طرف لےکرجاتی ہے۔[44]

اقبال کے خیال میں تاریخ قوم کا حافظہ ہے، اگرحافظہ میں خلل پیدا ہوجائےتودماغی توازن قائم نہیں رہتاانسان پگلاجاتاہے ۔ اسی طرح جوقومیں اپنےماضی یعنی تاریخ سےناآشناہوتی ہیں اورماضی سےاپنارشتہ توڑلیتی ہیں وہ اپنی روایات سےبیگانہ ہوجاتی ہیں وہ بحیثیت قوم کبھی ترقی نہیں کرسکتی ۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

سرزندازماضی توحال تو خیزدازحال تواستقبال تو
مشکن ازخواہی حیات لازوال رشتہءماضی ازاستقبال وحال[45]

(تیراحال تیرےماضی سےپھوٹتاہےاورحال سےاستقبال نکلتاہے،اگرتوحیات لازوال کاخواہاں ہےتوپھراپنےماضی کارشتہ اپنےحال واستقبال سےقطع نہ کر۔)

اسی طرح وہ فرماتے ہیں:

روح راسرمایہ تاب است ایں جسم ملت راچواعصاباست ایں
ہمچوخنجربرفسانت می زند بازبرروےجہانت می زند[46]

(تاریخ روح کےلیےآب حیات کاسرچشمہ ہے۔اورقوموں کےجسم میں اسےرگوپےکی حیثیت حاصل ہے۔یہ پہلےتجھ تلوارکی طرح سان پرلگاتی ہے،پھراٹھاکردنیاکی کشمکش گاہ میں پھینک دیتی ہےکہ جوکچھ انجام دےسکتاہےانجام دے۔)

علامہ صاحب گذشتہ کوحال میں پیوستہ دیکھتے ہیں اور یوں تاریخ کاحیاتیاتی عمل اور انسانی ارتقاءکھل کرسامنےآجاتا ہے۔علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سٹوڈیٹس یونین کےسپاس نامہ کےجواب میں نومبر۱۹۲۹ءکی تقریرمیں، اقبال نے فرمایا:

میں ان لوگوں میں سےنہیں ہوں جوصرف اپنےماضی سےمحبت کرتےہیں ۔ میں تواپنےمستقبل کامعتقدہوں ۔ ماضی کی ضرورت مجھےاس لیےہےکہ میں حال ہوں۔ اس بات کی سخت ضرورت ہےکہ چشمہ تہذیب وشائشتگی کوسمجھاجائےتاکہ یہ معلوم ہوسکےکہ آج دنیائےاسلام میں کیاہورہاہے۔یہی وجہ ہےکہ میں چاہتاہوں کہ آپ ماضی کوسمجھیں۔[47]

گویا اقبال کی نظر میں ، تاریخ دانش وبصیرت کامرقع ہے۔اس کامطالعہ ماضی کاشعوردیتاہے۔ اورمستقبل کےلیےبصیرت عطاءکرتاہے۔آپ نےبہت سےتاریخی کرداروں کوشعری جامہ پہنایاہےاوران کےاخلاقی روحانی کردارکوامت کےسامنےرکھاہے۔ اورعلامہ اقبال وہ پہلےفلسفی ہیں جنہوں نےروحانی تجربات کوفلسفیانہ بنیادوں پرپرکھنےکی کوشش کی۔ وہ کہتے ہیں:

تاریخ ایک قسم کی اطلاقی اخلاقیات ہے۔ اگراخلاقیات دیگرعلوم کی طرح ایک تجرباتی علم ہےتواسےانسانی تجربےکےانکشافات پرمبنی ہوناچاہیے ۔[48]

سیّدابوالاعلیٰ مودودی(1903–1979 ء) علمی اورفکری دنیامیں ایک ممتازمقام رکھتےتھے۔ آپ کی تاریخ پربڑی دقیق نظرہے ۔ اگرچہ آپ نےباقاعدہ نظریہ تاریخ پہ کوئی مستقل کلام نہیں کیامگرہزاروں صفحات پرپھیلی ہوئی متعددتاریخی تحریروں سےاندازہوتاہےکہ آپ کےتاریخ کےبارےنظریات کیاتھے۔ آپ کانظریہ حیات تاریخ قرآن وسنت سےماخوذہے۔ آپ اپنےایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

قدیم اور جدیدفلسفہ، سائنس، معاشیات،سیاسیات،وغیرہ اچھی خاصی لائبریری دماغ میں اتارچکاہوں،مگرجب آنکھ کھول کرقرآن کوپڑھاتوبخدایوں محسوس ہواکہ جوکچھ پڑھاتھاہیچ تھا۔ علم کی جڑتواب ہاتھ آئی ہے۔کانٹ،ہیگل،نطشے،مارکس اوردنیاکےبڑےبڑےمفکرین اب مجھے بچے نظرآتےہیں۔ بےچاروں پرترس آتاہےکہ ساری عمرجن کھیتوں کوسجاتے رہےاورجن مسائل پربڑی بڑی کتابیں تصنیف کرڈالیں،پھربھی نہ حل کرسکے۔ اس کتاب قرآن نےدوفقروں میں حل کرکےرکھ دئیے۔[49]

سیّدمودودی کے تصور تاریخ کی بنیادقرآن مجیدہے ۔آپ نےجن تاریخی موضوعات پرقلم اٹھایاہےقرآن مجیدکےبیان کردہ تاریخی حقائق کی روشنی میں اس کی وضاحت کی۔ وہ اسلامی تناظرمیں تاریخ کی وضاحت کرتےہوئےفرماتےہیں:

اگرایک مسلمان صحیح اسلامی ذہنیت کےساتھ تاریخ کامطالعہ کرےتواس کافر یضہ ہےکہ جہاں تک ممکن ہووہ واقعات کوجیسےکہ وہ فی الواقع گزرے ہیں بلاکسی تعصب جوں کےتونسامنےرکھے،اورپھراسلام نےجومعیارحق وباطل اس کودیاہے،اس کےمطابق اشخاص،اقوام اوراداروں کےرویوں کوجانچ کربےلاگ نتائج اخذکرے،غلطی جہاں ہو،کوتاہی جہاں بھی پائی جائےاسےبےتکلف وہیں انگلی رکھ دینی چاہیے،اورکھوج لگاناچاہیےکہ اس کی پیدائش کےاسباب کیاہیں اوراس نےانسانی فلاح وسعادت پرکیااثرڈالاہے۔ خوبی جہاں اورجس میں بھی نظرآئے،بےتکلف اس کاادراک کرناچاہیےاوراس کےمفیدنتائج یابےنتیجہ رہ جانےکےاسباب کاسراغ لگاناچاہیے۔ ٹھیک ٹھیک یہی رویہ ہےجوقرآن میں سوانح اشخاص اورتاریخ اقوام سےبحث واستدلال کرتےوقت اختیارکیاگیاہے۔[50]

سیدمودودی تاریخ سازشخصیات کاتنقیدی جائزہ لینےکےقائل ہیں تاکہ پتہ چلایاجاسکےکہ اس دورکےلحاظ سےان شخصیات سےکیاغلطیاں سرزدہوئی ہیں یاوہ کون سےایسےکام ہیں جوانہیں کرنےچاہیےتھے ۔چنانچہ وہ فرماتےہیں کہ:

ہمیں اپنی پچھلی تاریخ کی طرف پلٹ کردیکھناہوگاکہ ان بہت سی صدیوں میں ہمارےمختلف لیڈروں نےکتناکام کس کس طرح کیاہےاوران کےکارناموں سےہم کس حدتک فائدہ اٹھاسکتے ہیں اوران سےکیاچھوٹ گیاہےجس کی تلافی پراب ہمیں متوجہ ہوناچاہیے۔[51]

تاریخ میں موجوداورمضمرحقائق سےجب تک پردہ نہیں اٹھےگااس وقت تک ہم تاریخ سےکوئی خاطرخواہ نتائج اورفوائدحاصل نہیں کرسکتے۔جب تک حقائق کی تلاش میں واقعات کی جزئیات کی تحقیق نہ کی جائےگئی تواس وقت تک اصلیت ہماری نظروں کےسامنےنہیں آئےگی۔اورپھراسکااصل تصورکوئی اورہوگااورہم کسی اورطرف جارہےہوں گے۔مولانافرماتےہیں کہ:

پوری انسانی تاریخ دراصل دومقابل طاقتوں کی کش مکش کی تاریخ ہے ۔ایک اسلام یعنی دین فطرت کی قوت اوردوسری جاہلیت یعنی مسخ شدہ فطرت انسانی کی قوت۔ اس کش مکش میں کبھی اسلام ابھرتاہےاورجاہلیت دب جاتی ہےاورکبھی جاہلیت ابھرتی ہےاوراسلام دب جاتاہے۔[52]

انسان اس کش مکش میں ایک واسطہ کی حیثیت رکھتاہے ۔اب یہاں اس کویہ فہم پیداءکرنےکی ضرورت ہےکہ اس مقابلہ میں آیاوہ کس کےساتھ

ہےاوراپنےکرداروعمل کےساتھ کس طرف کھڑاہے ۔چنانچہ مولانافرماتےہیں کہ:

اسلام اورجاہلیت کےنازک اورباریک فرق کوبالکل واضح صورت میں بہت کم لوگ محسوس کرتےہیں زیادہ ترلوگ ان دونوں کوخلط ملط کرکےکچھ اس طرح پراگندہ خیالی میں مبتلاہوجاتےہیں کہ کام توجاہلیت کےلیےکررہےہوتےہیں اورسمجھتےہیں اسلام کےلیے کررہے ہیں۔[53]

خلاصہ بحث:

کسی بھی دور کےحالات و واقعات اس دور کے فکری ارتقاء کے ضامن ہوتے ہیں۔لہٰذا ہر واقعہ اسباب علل کا مر قع ہوتا ہے ۔ مؤرخین میں سےاکثر مؤرخین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ انہوں نے واقعات کو تشریح اور توضیح کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب کہ مسلم مؤرخین کا نظریہ تاریخ قرآن مجید سے مستنبط ہے ۔ انہوں تاریخ کی تدوین بھی اسی انداز سے کی جس انداز سے وہ قرآن،حدیث اور سیرت کی تدوین کر چکے تھے۔ وہ تاریخ کو ذریعہ علم سمجھتے تھے۔ان کے خیال میں گذشتہ قوموں کے واقعات آنے والی قوموں کے لیے سبق آموز اور بہتر زندگی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

ابن مسکویہ کے مطابق ماضی کے واقعات اور قصص کو اسباب اور علل تحت دیکھا جانا چاہیے جب کہ ابن خلدون کے مطابق حالات کی تہوں میں فلسفہ حیات پنہاں ہوتا ہے جس کو جان کر ماضی تشریخات کر کے حال جانا جاتا ہے اور مستقبل کے متعلق پیشین گوئی کی جاتی ہے۔ برصغیر کے مسلم مؤرخین میں ضیاء الدین برنی مؤقف ہے کہ تاریخ سے یہ سبق سیکھنا ضروری ہے کہ گذشتہ زمانے کے افراد کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور کون سی وہ تدابیر تھیں جن کے تحت وہ ان سے باہر آئے اور ہمارے لیے ان میں کیا سبق موجود ہے۔ ملاعبد القادر بدایونی اس عالم میں رونما ہونے والے ہر سانحہ اور حادثہ کو قدرت کی حکمت کا نتیجہ سمجھتے ہیں توعلامہ شبلی قوموں کے عروج کاسبب صالحیت کو قرار دیتے ہیں ۔

علامہ اقبال تاریخ کو گراموفون کی مانند سمجھتے ہیں جس میں قوموں کی صدائیں مخفو ظ ہیں،آپ تاریخ کو ایک مسلسل ارتقائی حرکت قرار دیتے ہیں جس کے ساتھ آئندہ کی نسلوں کی تربیت منسلک ہوتی ہے اور یہ وہ حافظہ ہے جس کے بغیر ذہنی توازن قائم نہیں رہتا۔مولانا مودودی تاریخ کے بیان میں کسی معذرت خواہانہ رویہ کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ کسی مطالعاتی تجزیے میں ضروری حقائق کو بلا کم و کاست سامنےلانا بہت ضروری ہے، خواہ وہ کتنے ہی تلخ ہوں، بصورت دیگر ، مستقبل کی صورت گری گہنا جائے گی۔

حواشی و حوالہ جات

1 السخاوی،عبدالرحمٰن شمس الدین۔الاعلان بالتوبیخ ۔بیروت: موسسہ الرسالہ1986ء،ص:16

2 A Greek English Dictionary, Oxford: Clarendon Press, 1996, “History”

3 R.G Collingwood. The Idea of History, UK: Oxford University Press, 1946, p: 11.

4 Aristotle, The Poetics (Translated by S H Butcher) London: Macmillan, 1902, p: 45

5 Toynbee, Arnold j. A Study of History, London: Oxford University Press, 1935 Vol: III, p: 255

6 الرعد 13 : 11

7 - الملک:01

8 - یٰسین: 38-40

9- الروم : 30

10- فاطر : 43

11 - زمخشری ، ابو القاسم محمود بن عمر ،**الکشاف** ،(دارلکتاب العر بی ،بیروت ،1406ھ)،1: 417

12 - ابن تیمیہ، **مجموع الفتا وی**، (وزارۃ الشون الاسلامیہ و الاوقاف والدعوۃ والارشاد ،2004ء)،3: 20

13 - رشید رضا ،محمد رشید رضا ،**تفسیر المنار** ،(بیروت :دار المعرفۃ ، س،ن)،4: 139

14 ابن تیمیہ،ابو عباس احمد بن عبد الحلیم ،**جامع الرسائل** ،(المجموعۃ الاولی ، تحقیق :د. محمد رشاد سالم، القاھرۃ : مطبعۃ المدني ، 1984ء)،52

15 - زیدان ،عبدالکریم،السنن الالہیہ فی الامم و الجماعات و الافراد فی الشریعۃ الاسلامیۃ، (بیروت :موسسہ الرسالۃ ، 1993 ء) ، 25-24

16 - لقمان : 20؛ البقرۃ: 29

17 - الدھر:3

18 - النمل: 40

19 . Fazalurrehman, *Major Themes of The Quran*, (Chicago: University of Chicago),p.16

20 - پرویز،غلام احمد ،**سلیم کے نام** ,(لاہور:طلوع اسلام ٹر سٹ، 1998ء)،3: 105

21 - اقبال ، علامہ محمد اقبال ، **کلیاتِ اقبال** اردو (ضربِ کلیم)،(لاہور : اقبال اکیڈمی پاکستان ، 1990ء) ،578

22

23 - یونس 10: 49

24 ایضاً: 44

25 - المسعودی،ابوالحسن بن حسین بن علی۔مروج الذہب ۔مصر: مطبعۃالبیہ قاہرہ،1342ءج: 1،ص: 3

26 - ابن مسکویہ،احمدبن محمد ۔ مقدمہ تجارب الامم ۔بیروت: دارالکتب العلمیہ ،2003ء ،ص:60
27 برنی، ضیاء الدین۔ تاریخ فیروزشاہی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، 2005 ء، ص :18
28 ایضاً، ص: 48
29 ایضاً، ص: 50
30 علامہ ابن خلدون،عبدالرحمٰن۔المقدمہ ۔بیروت: دارلفکر2003ء،ص: 13
31 بدایونی،ملاعبدالقادر۔منتخب التواریخ۔لاہور:شیخ غلام علی اینڈسنز،(س،ن)،ص:323
32 ایضاً، ص: 328
33 حاجی خلیفہ،مصطفی بن عبداللہ۔ کشف الظنون ،بیروت: دارالحیاء التراث ، ج : 1،ص:271
34 Toynbee, Arnold j. A Study of History, p: 255
35 Ludwlg Von Misses.Theory and History, London: OUP.1985, p:225
36 علامہ ابن خلدون۔المقدمہ ۔ص: 32-33
37 Toynbee, A Study of History, Vol: III, p: 322.
38 نعمانی، علامہ شبلی ۔الفاروق۔لاہور : مکتبہ نعمانیہ،ص:25
39 ایضاً،ص:26
40 ایضاً،ص:28
41 ڈاکٹر افتخار احمد۔ شذرات فکراقبال۔ لاہور: مجلس ترقی اردوادب، ص: 140
42 اقبال، ڈاکٹرعلامہ محمد۔ تشکیل جدیدالٰہیات اسلامیہ۔ (مترجم سیدنذیرنیازی) لاہور: بزم اقبال،2012ء،ص: 194
43 الانعام 6 : 11
44 علامہ اقبال۔ تشکیل جدیدالٰہیات اسلامیہ۔ (مترجم سیدنذیرنیازی) ، ص: 194
45 علامہ اقبال۔کلیات(فارسی)۔لاہور: مکتبہ دانیال،ص:230
46 ایضاً۔ ص: 229
47 رفیق افضل،محمد ۔گفتاراقبال۔ لاہور: دانش گاہ پنجاب،ص: 105
48 ڈاکٹر افتخار احمد۔ شذرات فکراقبال۔ص: 79
49 ندوی،محمدعمران۔ مشاہیراہل علم کی محسن کتابیں۔اعظم گڑھ: معارف پریس، (س،ن)،ص: 27
50 خورشیداحمد، پروفیسر۔ ادبیات مودودی۔ص: 260
51 سیدمودودی،ابواعلیٰ۔ تجدیدواحیائےدین۔لاہور :اسلامک پبلیکشنز،ص:9
52 خورشیداحمد ، پروفیسر۔ ادبیات مودودی۔ ص:217
53 سیدمودودی۔ دولت آصفیہ اورحکومت برطانیہ؛ سیاسی تعلقات پرایک نظر۔ دہلی : جیدبرقی پریس ، 1928 ء، ص: 3